Majallah-yi Talim o Tahqiq
مجلہ تعلیم و تحقیق
Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan
مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان
ISSN (P): 2618-1355, ISSN (Online): 2618-1363
Issue 2,Vol ,8 , April–June ,2026
شمارہ۲، جلد۸، اپریل–جون، ۲۰۲۶

مولانا شبلی نعمانی کے کلامی افکار کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ

A Critical Evaluation of Intellectual Thoughts (Ilm Al-Kalam) of Maulana Shibli Nomani

Rana Noman Akbar[1]

Dr. Atif Aslam Rao[2]

Abstract

A Critical Evaluation of the Intellectual Thought of Maulana Shibli Nomani (ʿIlm al-Kalām)

Maulana Shibli Nomani (1857–1914) occupies a distinguished position among the Muslim intellectuals of the Indian subcontinent due to his significant contributions to Islamic scholarship, history, literature, and rel igious thought. At a time when Muslim societies were confronted with the challenges of colonialism, Western rationalism, modern science, and Christian missionary critiques, Shibli sought to present Islam in a manner that was both intellectually convincing and faithful to its foundational sources. His intellectual engagement with theological issues reflects an important attempt to revive and reform ʿIlm al-Kalām in response to the changing socio-religious realities of the modern age.This study critically examines the intellectual thought of Maulana Shibli Nomani with particular reference to his contributions to ʿIlm al-Kalām. It explores his methodological approach to theological discourse, his understanding of the relationship between reason and revelation, and his response to contemporary intellectual challenges. The study also investigates how Shibli employed historical analysis, rational argumentation, and classical Islamic scholarship to defend Islamic beliefs and address modern doubts regarding faith, prophethood, revelation, and Islamic civilization.

Using an analytical and critical research methodology, the paper evaluates Shibli's major writings and assesses the strengths and limitations of his theological perspectives. Particular attention is given to his efforts to reconcile traditional Islamic teachings with modern

[1] PhD Scholar Department of Islamic Learning, University of Karachi, Pakistan

Email: hafiznoman717@gmail.com

[2] Assistant Professor, Department of Islamic Learning, University of Karachi, PakistanEmail: dratifrao@uok.edu.pk

intellectual developments while maintaining the authenticity of Islamic doctrine. The study argues that Shibli's contribution represents a transitional phase in the evolution of modern Islamic thought, bridging the gap between classical kalām traditions and contemporary theological concerns.

The findings suggest that Shibli Nomani played a pivotal role in revitalizing theological discourse in South Asia by promoting a balanced approach that combined rational inquiry with religious commitment. His intellectual legacy continues to offer valuable insights for addressing modern theological questions and contributes significantly to contemporary discussions on the relevance and renewal of ʿIlm al-Kalām in the Muslim world.

Keywords: ʿIlm al-Kalām, Islamic Theology, Islamic Intellectual Thought, Rationalism, Modernity, South Asian Muslim Scholarship.

موضوع کا تعارف:

برصغیر کی فکری اور علمی تاریخ میں علامہ شبلی نعمانی ایک ہمہ جہت شخصیت کے طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ وہ مؤرخ بھی تھے، سیرت نگار بھی، ادیب اور شاعر بھی، اور ساتھ ہی ایک گہری فکری بصیرت رکھنے والے متکلم بھی تھے۔ ان کی شخصیت کی یہی جامعیت انہیں انیسویں اور بیسویں صدی کے سنگم پر اسلامی فکر کے ایک اہم ترجمان کے طور پر متعارف کراتی ہے۔ اگرچہ عمومی طور پر ان کا تعارف سیرت النبی کے مصنف، الفاروق اور المامون کے مؤلف یا دارالمصنفین اعظم گڑھ کے بانی کے طور پر کیا جاتا ہے، لیکن ان کی علم الکلام سے وابستگی اور متکلمانہ بصیرت پر نسبتاً کم توجہ دی گئی ہے۔

برصغیر میں جدیدیت، استعمار اور مذہبی تنقید کے دباؤ کے تحت اسلامی عقائد کے دفاع اور توضیح کی جو ضرورت پیدا ہوئی، اس نے علم الکلام کو ایک نئی جہت عطا کی۔ اس پس منظر میں علامہ شبلی نعمانی کی تحریریں محض تاریخی یا ادبی نہیں رہتیں بلکہ فکری اور کلامی نوعیت بھی اختیار کر لیتی ہیں۔ بیسویں صدی میں علم الکلام کے ارتقاء میں علامہ شبلی نعمانی کے کلامی افکار کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ آنے والی سطور میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان کے کلامی افکار آنے والے ادوار کے لیے کس انداز میں اثرانداز ہوئے۔

شبلی کی زندگی کا اہم موڑ وہ تھا جب وہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج سے وابستہ ہوئے، جسے بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہوئی۔ یہاں ان کا رابطہ سر سید احمد خان سے ہوا۔ سر سید کی عقلی تعبیرات اور جدید طرزِ استدلال نے شبلی کے ذہن پر اثر ڈالا، لیکن شبلی نے محض تقلید نہیں کی بلکہ تنقیدی زاویہ اختیار کیا۔ ان کے بعض خطوط اور تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سر سید کی بعض تاویلات سے اختلاف بھی رکھتے تھے۔ شبلی نے بعد ازاں اپنی کتاب علم الکلام میں جدید شکوک اور اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک متوازن اسلوب اختیار کیا، وہ قدیم متکلمین اور سر سید کے مکتب فکر سے جداگانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

شبلی نے 1892ء میں ترکی، مصر اور شام کا سفر کیا۔ اس سفر نے ان کے فکری افق کو مزید وسعت دی۔ انہوں نے استنبول اور قاہرہ کی علمی فضا سے استفادہ کیا۔ ان کے سفر نامے میں عثمانی خلافت اور وہاں کے علمی مراکز کا ذکر ملتا ہے۔[3] اس سفر کے دوران انہیں مسلم دنیا میں کلامی و فکری چیلنجز کا براہِ راست مشاہدہ ہوا، جس نے بعد میں ان کے کلامی مباحث کو عملی رنگ دیا۔

علم الکلام کا تاریخی پس منظر اور شبلی کا زاویہ نظر:

علم الکلام اسلامی علوم میں وہ شعبہ ہے جس کا مقصد عقائدِ اسلامیہ کا عقلی و نقلی دلائل سے اثبات اور مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے۔ کلاسیکی دور میں یہ علم معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مباحث کے ذریعے پروان چڑھا۔ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی نے اہلِ سنت کے عقائد کو منظم عقلی بنیادوں پر پیش کیا۔ بعد میں امام غزالی اور امام فخر الدین رازی نے فلسفہ اور منطق کے مباحث کو کلام میں داخل کر کے اسے مزید وسعت دی۔

امام ابو حامد غزالی اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں لکھتے ہیں:

علم الکلام کا مقصد اہلِ سنت کے عقائد کو اہلِ بدعت کی تشویش سے محفوظ رکھنا ہے۔[4]

اسی طرح امام فخر الدین رازی نے المحصل میں علم کلام کو اصولِ دین کی عقلی توضیح قرار دیا ہے۔[5]

علم اصول الدین وہ علم ہے جس میں دینی عقائد کو یقینی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے۔

شبلی نعمانی کا کلامی شعور اسی کلاسیکی روایت سے مربوط ہے، مگر وہ اسے جمود کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ انہوں نے علم الکلام کو محض مناظرانہ فن نہیں بلکہ ایک زندہ فکری ضرورت سمجھا۔

شبلی کی کتاب علم الکلام اور اس کا منہج:

علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف علم الکلام دراصل برصغیر میں جدید ذہن کے اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ایک اہم کاوش ہے۔ اس کتاب کے مقدمے میں شبلی واضح کرتے ہیں کہ قدیم کلامی مباحث کا اسلوب جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے غیر مؤثر ہو چکا ہے، اس لیے نئے طرزِ استدلال کی ضرورت ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ موجودہ زمانے کے شکوک فلسفہ، سائنس اور تاریخ کے میدان سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے ان کا جواب بھی انہی میدانوں کی روشنی میں دیا جانا چاہیے۔[6]

شبلی کا یہ طرزِ فکر انہیں محض روایت پسند متکلم کے بجائے ایک تجدیدی متکلم کے طور پر سامنے لاتا ہے۔

---

[3][3] شبلی نعمانی، سفر نامہ روم و مصر و شام، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 1963ء، ملخصاً ص 78–95۔

[4] ابو حامد غزالی، الاقتصاد فی الاعتقاد، تحقیق: انور محمود، دار المنہاج، جدہ، 2003ء، ص 7۔

[5] فخر الدین رازی، المحصل فی علم اُصول الدین، تحقیق: طہ عبد الرؤوف سعد، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، قاہرہ، 1978ء، ص 12۔

[6] شبلی نعمانی، علم الکلام، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 1989ء ص 18۔

عقیدۂ توحید اور صفاتِ باری تعالیٰ:

شبلی نے توحید کے باب میں کلاسیکی متکلمین کی تعبیرات کا جائزہ لیا، لیکن انہوں نے صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلے میں نہ افراط اختیار کیا اور نہ تفریط۔ انہوں نے اشاعرہ کے منہج کو زیادہ معتدل قرار دیا۔

امام ابوالحسن اشعری الابانۃ عن أصول الدیانۃ میں لکھتے ہیں:

"ونقول إن له سمعاً وبصراً ولا نقول كيف"[7]

ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے سمع اور بصر ہے، مگر ہم کیفیت بیان نہیں کرتے۔

شبلی نے صفات کے باب میں اسی اصول کو سراہا اور کہا کہ تعطیل اور تشبیہ دونوں انتہائیں ہیں۔[8]

وہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ جدید ذہن کے سامنے صفاتِ الٰہی کی بحث کو فلسفیانہ موشگافیوں کے بجائے اخلاقی اور وجودی بنیادوں پر پیش کیا جائے، تاکہ خدا کا تصور ایک زندہ حقیقت کے طور پر سامنے آئے۔

عقل و نقل کا تعلق:

شبلی کے کلامی فکر کا ایک اہم پہلو عقل اور نقل کے تعلق کا مسئلہ ہے۔ انہوں نے نہ تو عقل کو مطلق حاکم بنایا اور نہ نقل کو عقل سے ماورا قرار دیا۔ اس سلسلے میں وہ امام غزالی کے موقف سے قریب نظر آتے ہیں۔ امام غزالی تہافۃ الفلاسفہ میں لکھتے ہیں کہ جہاں قطعی نص موجود ہو وہاں عقل کو تسلیم کرنا چاہیے، اور جہاں نص ظنی ہو وہاں عقل کی تاویل معتبر ہو سکتی ہے۔[9] جب کوئی قطعی نص ہو تو اس کے خلاف عقل کا دعویٰ معتبر نہیں، اور جہاں نص قطعی نہ ہو وہاں عقل کی تاویل کا دائرہ باقی رہتا ہے۔ شبلی نے اسی اصول کو جدید تناظر میں اپنایا۔ انہوں نے سائنس اور مذہب کے تعلق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ سائنس کا دائرہ مادی کائنات ہے اور مذہب کا دائرہ اخلاقی و روحانی حقیقتیں؛ دونوں میں تصادم کا سوال تب پیدا ہوتا ہے جب حدود سے تجاوز ہو۔[10] علامہ شبلی عقل و نقل کے مابین تصادم کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم خود اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ ورنہ دونوں کے مابین کوئی تعارض وارد ہی نہیں ہوتا۔

نبوت کا اثبات اور جدید اعتراضات کا جواب:

نبوت کے اثبات کے باب میں شبلی نے عقلی اور تاریخی دونوں دلائل پیش کیے۔ انہوں نے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے سیرتِ نبوی کو تاریخی معیار پر پرکھا۔ ان کی شہرہ آفاق کتاب سیرۃ النبی میں انہوں نے مستند عربی مصادر جیسے ابن ہشام اور طبری سے استفادہ

---

[7] ابو الحسن اشعری، الابانة عن أصول الديانة، دارالانصار، قاہرہ، 1977ء، ص20۔

[8] شبلی نعمانی، علم الکلام، ص72–75۔

[9] ابو حامد غزالی، تہافۃ الفلاسفہ، دارالمعارف، قاہرہ، 1966ء، ملخصاً، ص15–20۔

[10] شبلی نعمانی، علم الکلام، ص110–118۔

کیا۔ شبلی نے مستشرقین کے تاریخی اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے یہ واضح کیا کہ اسلامی روایت کو محض افسانوی قرار دینا علمی دیانت کے خلاف ہے۔

شبلی اور جدید علم الکلام:

برصغیر میں جدید علم الکلام کی تشکیل میں شبلی کا مقام منفرد ہے۔ اگر سرسید نے عقلی تاویلات کا دروازہ کھولا تو شبلی نے روایت اور عقل کے درمیان توازن پیدا کیا۔ ان کا منہج نہ خالص اعتزال تھا، نہ جامد اشعریت، بلکہ ایک تجدیدی سنیت تھی۔ ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ شبلی کا مقصد قدیم کلام کی تجدید تھا، نہ کہ اس کی نفی۔[11]

واضح ہوتا ہے کہ شبلی نعمانی نے علم الکلام کو تاریخی مباحث تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے جدید ذہن کی ضرورت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کلاسیکی متکلمین سے استفادہ کیا، مگر اندھی تقلید سے گریز کیا۔ ان کا اسلوب ادبی، تاریخی اور عقلی عناصر کا حسین امتزاج ہے۔

شبلی نعمانی کی تاریخی و سیرتی تصانیف میں کلامی عناصر کا تجزیہ:

علامہ شبلی نعمانی کی تصانیف کو عموماً تاریخی، سوانحی یا ادبی زاویے سے دیکھا جاتا ہے، لیکن گہرے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی بڑی تصانیف دراصل ایک باقاعدہ کلامی شعور کی مظہر ہیں۔ انہوں نے تاریخ اور سیرت کو محض واقعاتی بیان کے طور پر نہیں لکھا بلکہ ان کے ذریعے اسلام کے عقائد، سیاسی نظریات اور اخلاقی اصولوں کا دفاع بھی کیا۔

الفاروق میں خلافت اور امامت کا تصور:

علامہ شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت پر ایک مستند اور تحقیقی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں خلافت کے تصور کو محض سیاسی نظام کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ اسے اسلامی عقیدے اور اجتماعی نظم کے ایک اہم رکن کے طور پر واضح کیا گیا ہے۔ خلافت کا مسئلہ علم الکلام میں امامت کے عنوان سے زیرِ بحث آتا رہا ہے، خصوصاً معتزلہ اور اہلِ سنت کے ہاں اس پر تفصیلی مباحث ملتے ہیں۔ امام ابو الحسن اشعری نے مقالات الاسلامیین میں لکھا ہے کہ اہلِ سنت کے نزدیک امامت امت کی ضرورت ہے تاکہ دین اور دنیا کے امور منظم رہیں۔[12]

شبلی نے الفاروق میں حضرت عمر کی خلافت کو اسی اصولی پس منظر میں بیان کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ خلافت نہ تو شخصی آمریت ہے اور نہ محض روحانی پیشوائیت، بلکہ ایک ذمہ دارانہ اجتماعی نظام ہے۔[13] یہ طرزِ بیان دراصل ان کے کلامی شعور کی عکاسی کرتا ہے، کیونکہ وہ خلافت کے تصور کا دفاع کرتے ہوئے اسے معقول اور تاریخی طور پر قابلِ فہم ثابت کرتے ہیں۔

---

[11] سلیمان ندوی، حیاتِ شبلی، جلد دوم، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 1976ء، ص145۔

[12] ابوالحسن اشعری، مقالات الاسلامیین، تحقیق: محمد محیی الدین عبدالحمید، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، قاہرہ، 1950ء، جلد اول، ص40۔

[13] شبلی نعمانی، الفاروق، جلد اول، ملخصاً، ص110–125۔

المامون میں عقل اور مذہب کا مسئلہ:

شبلی کی کتاب المامون عباسی خلیفہ مامون الرشید کی سیرت پر مبنی ہے۔مامون کے دور میں مسئلہ خلقِ قرآن اور معتزلہ کی سرپرستی ایک بڑا کلامی تنازع تھا۔ شبلی نے اس دور کو نہ یکطرفہ انداز میں پیش کیا اور نہ محض سیاسی کشمکش کے طور پر، بلکہ اسے عقل اور نقل کے باہمی تعلق کے ایک تاریخی تجربے کے طور پر دیکھا۔امام احمد بن حنبل کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے طبری لکھتے ہیں کہ انہوں نے خلقِ قرآن کے نظریے کو رد کیا اور اسے بدعت قرار دیا۔[14] امام احمد نے قرآن کے مخلوق ہونے کے قول کو بدعت کہا اور اس سے انکار کیا۔ شبلی نے المامون میں اس قضیے کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ اگرچہ مامون کی علمی دلچسپی قابلِ قدر تھی، لیکن ریاستی طاقت کے ذریعے کسی نظریے کو مسلط کرنا علمی آزادی کے منافی ہے۔[15] یہ تجزیہ دراصل ایک جدید کلامی اصول کی نشاندہی کرتا ہے: عقیدہ جبر سے نہیں بلکہ استدلال سے قبول کیا جاتا ہے۔

سیرۃ النبی ﷺ میں کلامی دفاع:

شبلی کی تصنیف سیرۃ النبی ﷺ ان کے کلامی فکر کا سب سے نمایاں اظہار ہے۔انہوں نے اس کتاب میں مستشرقین کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ مثال کے طور پر معجزات کے باب میں انہوں نے نہ تو معجزات کا انکار کیا اور نہ غیر ضروری مبالغہ آرائی کی، بلکہ تاریخی اور عقلی دونوں زاویوں سے بحث کی۔ابن خلدون مقدمہ میں معجزات کے بارے میں لکھتے ہیں:

معجزہ وہ امر ہے جو عادت کے خلاف ہو اور چیلنج کے ساتھ ظاہر ہو۔[16] شبلی نے اسی تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے معجزات کی توضیح کی اور انہیں عقیدۂ نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا۔[17]

انہوں نے مستشرقین کے اس دعوے کا رد کیا کہ سیرت کی روایات محض بعد کی ایجاد ہیں، اور اس کے لیے انہوں نے قدیم مصادر جیسے ابن اسحاق اور واقدی کا حوالہ دیا۔ شبلی نے ان مصادر کو جدید تنقیدی معیار پر پرکھ کر پیش کیا، جو ان کے کلامی اور تاریخی شعور کی علامت ہے۔

کلامی اسلوب اور ادبی رنگ:

شبلی کی تحریروں کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے کلامی مباحث کو خشک فلسفیانہ انداز کے بجائے ادبی اور تاریخی اسلوب میں بیان کیا۔ ان کا مقصد صرف نظری مباحث نہیں بلکہ عام تعلیم یافتہ طبقے کو مخاطب کرنا تھا۔فارسی ادب سے ان کی گہری وابستگی نے ان کے استدلال کو ایک جمالیاتی رنگ بھی دیا۔سعدی شیرازی نے گلستان میں لکھا:

بنی آدم ایک دوسرے کے اعضا ہیں، کیونکہ تخلیق میں سب ایک ہی جوہر سے ہیں۔[18]

---

[14] محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، دار التراث، بیروت، 1967ء، جلد ہشتم، ص 631۔

[15] شبلی نعمانی، المامون، ص 210–230۔

[16] عبدالرحمن بن خلدون، المقدمۃ، دار الفکر، بیروت، 2001ء، ص 458۔

[17] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، جلد دوم، ص 75–90۔

[18] سعدی شیرازی، گلستان سعدی، انتشارات امیر کبیر، تہران، 1386ھ، ص 15۔

شبلی نے انسانی اخوت اور اخلاقی اقدار کے مباحث میں اسی طرح کے اخلاقی استدلال کو اختیار کیا، جو ان کے کلامی مباحث کو محض عقلی نہیں بلکہ اخلاقی بھی بناتا ہے۔ مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کی تاریخی اور سیرتی تصانیف دراصل ان کی کلامی فکر کا عملی اظہار ہیں۔ انہوں نے خلافت، عقل و نقل کے تعلق، نبوت، معجزات اور اسلامی تہذیب کے دفاع جیسے موضوعات کو تاریخی اسلوب میں پیش کیا۔ ان کا منہج ایک طرف کلاسیکی متکلمین کی روایت سے مربوط ہے، تو دوسری طرف وہ جدید فکری چیلنجز کا بھی مؤثر انداز میں جواب فراہم کرتا ہے۔

شبلی نعمانی کا معاصرین کے ساتھ تقابلی مطالعہ اور ان کا کلامی مقام:

علامہ شبلی نعمانی کی کلامی فکر کو درست طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ان کے دور کے فکری پس منظر اور معاصر اہلِ علم کے ساتھ تقابلی طور پر دیکھا جائے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں برصغیر ایک شدید فکری کشمکش سے گزر رہا تھا۔ ایک طرف استعمار اور مستشرقین کے اعتراضات تھے، جبکہ دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقے میں مذہبی تشکیک میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس فکری ماحول میں سر سید احمد خان، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد رضا خان اور دیگر اہلِ فکر نے مختلف زاویوں سے اسلام کے دفاع اور توضیح کی کوششیں کیں۔ علامہ شبلی نعمانی کا مقام ان سب کے درمیان ایک معتدل اور تجدیدی رجحان رکھنے والے متکلم کا ہے۔

شبلی اور سر سید احمد خان:

شبلی کے فکری ارتقا میں سر سید احمد خان کا کردار اہم ہے۔ سر سید نے قرآن کی عقلی تفسیر اور معجزات کی تاویل کے ذریعے جدید ذہن کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ان کی تفسیر القرآن اور دیگر تحریروں میں عقل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔[19] سر سید کا بنیادی اصول یہ تھا کہ اگر کسی روایت کا ظاہری مفہوم عقل یا سائنسی حقائق سے متصادم ہو تو اس کی تاویل کی جائے۔ انہوں نے معجزات کی تعبیر میں بھی فطری قوانین کو مقدم رکھا۔ شبلی نے سر سید کے اس منہج سے استفادہ کیا لیکن مکمل اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے علم الکلام میں لکھا کہ تاویل کا دروازہ کھلا ہے مگر اس کی حدود ہیں، اور ہر ماورائی امر کو محض طبعی اسباب میں تحلیل کرنا درست نہیں۔[20] یہاں شبلی کا موقف اشعری اعتدال کے قریب نظر آتا ہے، جہاں عقل کو اہمیت حاصل ہے مگر وہ نص قطعی پر غالب نہیں آتی۔

شبلی اور دار العلوم دیوبند کے علماء:

شبلی کا تعلق اگرچہ رسمی طور پر دیوبند سے نہ تھا، مگر ان کے عہد میں دار العلوم دیوبند ایک بڑا علمی مرکز بن چکا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے علم کلام کے بعض مباحث کو نئے انداز میں پیش کیا، خصوصاً تحذیر الناس میں ختم نبوت کے مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی۔[21]

شبلی نے اپنی تحریروں میں اس بات پر زور دیا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ منطق کی اصطلاحات سے زیادہ تاریخی اور سائنسی استدلال کو سمجھتا ہے، اس لیے کلام کو نئے اسلوب میں پیش کرنا ضروری ہے۔[22] نانوتوی کا انداز زیادہ تر مدرسہ نظامیہ کی روایت سے جڑا ہوا تھا، جس میں منطق و فلسفہ کے کلاسیکی

---

[19] سید احمد خان، تفسیر القرآن، مطبع سید الاخبار، علی گڑھ، 1880ء، جلد اول، ملخصاً، ص 12–20۔

[20] شبلی نعمانی، علم الکلام، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 1989ء، ص 130–145۔

[21] محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس، مطبع مجتبائی، دہلی، 1878ء، ملخصاً، ص 25–40۔

[22] شبلی نعمانی، علم الکلام، ص 18–25۔

مباحث غالب تھے۔ شبلی نے اس اسلوب کو علمی اعتبار سے وقیع سمجھا، مگر عام تعلیم یافتہ طبقے کے لیے اسے ناکافی قرار دیا۔اس تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ شبلی نے قدیم روایت کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تجدید کی سعی کی ہے۔s

مولانا اشرف علی تھانوی نے عقائد کے باب میں زیادہ تر اصلاحی اور روحانی اسلوب اختیار کیا۔ان کی کتاب نشر الطیب اور دیگر رسائل میں ایمان، بدعت اور شرک کے مسائل پر تفصیل ملتی ہے۔[23] تھانوی کا زور عملی اصلاح اور روحانی تربیت پر تھا، جب کہ شبلی کا میدان زیادہ تر تاریخی اور فکری تھا۔ شبلی نے تصوف اور اخلاقیات کو اہم سمجھا، مگر ان کا بنیادی میدان علمی مناظرے اور فکری دفاع تھا۔

شبلی اور مستشرقین:

شبلی کی کلامی فکر کا ایک اہم پہلو مستشرقین کے اعتراضات کا جواب ہے۔ انیسویں صدی میں ولیم میور اور اگناز گولڈزیہر جیسے مستشرقین نے اسلامی تاریخ اور حدیث پر اعتراضات اٹھائے۔

ولیم میور نے اپنی کتاب The Life of Mahomet میں بعض واقعات کو تنقیدی انداز میں پیش کیا۔[24]

شبلی نے سیرۃ النبی میں ان اعتراضات کا مفصل جواب دیا اور تاریخی مصادر کی صحت پر دلائل فراہم کیے۔

گولڈزیہر نے حدیث کی تدوین پر شکوک ظاہر کیے تھے۔[25]

شبلی نے حدیث کے تاریخی تسلسل اور اسناد کے نظام کو بیان کر کے ان اعتراضات کا رد کیا، اور واضح کیا کہ اسلامی روایت کا علمی معیار یورپی تنقید سے کم نہیں۔

شبلی کا کلامی مقام:

ان تقابلی مطالعات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نہ تو محض سر سید احمد خان کے مکتبِ فکر کے پیرو تھے، نہ دیوبندی روایت کے جامد شارح، اور نہ ہی صرف اصلاحی صوفیانہ فکر کے نمائندہ۔ ان کی فکری انفرادیت اس بات میں ہے کہ انہوں نے اسلامی روایت، تاریخی شعور اور جدید عقلی مباحث کو ایک مربوط فکری سانچے میں جمع کیا۔ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی کے مطابق شبلی کا اصل کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اسلامی فکر کو نئے اسلوب، تحقیقی منہج اور علمی وسعت کے ساتھ پیش کرنے کی بنیاد فراہم کی۔۔[26]

شبلی نعمانی کا کلامی مقام ایک تجدیدی مفکر کا ہے۔ انہوں نے سر سید کی طرح عقل کو اہمیت دی مگر نص کی بالادستی کو برقرار رکھا۔ انہوں نے دیوبندی علما کی طرح روایت کو تسلیم کیا مگر اس کے اظہار کے اسلوب میں جدت پیدا کی۔ انہوں نے جذباتی انداز سے نہیں بلکہ علمی تحقیق کے ذریعے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا۔

---

[23] اشرف علی تھانوی، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، مکتبہ امدادیہ، ملتان، 1998ء، ملخصاً، ص 50–65۔

[24] William Muir, The Life of Mahomet, Smith, Elder & Co., London, 1861, Vol. I, p. 15–30۔

[25] Ignaz Goldziher, Muhammedanische Studien, Max Niemeyer, Halle, 1889, Vol. II, p. 1–20۔

[26] سلیمان ندوی، حیاتِ شبلی، جلد دوم، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 1976ء، ملخصاً، ص 150–160۔

اگرچہ علم الکلام کی جدید فکری تشکیل میں شبلی کو وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی، لیکن بعض ناقدین نے ان کے اسلوب کو ادبی رنگ آمیزی سے بھرپور قرار دیا اور کہا کہ وہ بعض مقامات پر جذباتی دفاع کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر ان کی تحقیق کو علمی دیانت اور استدلالی قوت کے اعتبار سے معتبر تسلیم کیا گیا۔ شبلی کی اہمیت اس بات میں ہے کہ انہوں نے قدیم اور جدید کے درمیان پل قائم کیا۔ وہ نہ خالص روایت پسند تھے اور نہ مکمل جدیدیت کے حامی، بلکہ ایک معتدل تجدیدی مفکر تھے۔

فکری میراث کا خلاصہ:

شبلی نعمانی کی فکری میراث تین بنیادی عناصر پر مشتمل ہے:

اول: علم الکلام کی تجدید اور جدید اعتراضات کا علمی جواب۔

دوم: اسلامی تاریخ و سیرت کی تحقیقی تدوین۔

سوم: ادارہ سازی کے ذریعے علمی تحریک کا تسلسل۔

ان کی یہ میراث آج بھی برصغیر میں اسلامی تحقیق کے میدان میں زندہ ہے۔ ان کا منہج اس بات کی یاد دہانی کراتا ہے کہ دین کا دفاع جذبات سے نہیں بلکہ تحقیق، استدلال اور اخلاقی قوت سے ہوتا ہے۔

خلاصہِ بحث:

علامہ شبلی نعمانی برصغیر میں جدید علم الکلام کے اہم بانیوں میں شمار کیے جا سکتے ہیں، کیونکہ انہوں نے قدیم کلامی مباحث کو جدید فکری تقاضوں کے مطابق از سرِ نو پیش کیا۔ انہوں نے اسلامی تاریخ اور سیرت کو مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں مضبوط تحقیقی اور استدلالی بنیادوں پر مرتب کیا۔ ان کی ادبی خدمات ان کے کلامی اور فکری شعور سے گہرا تعلق رکھتی ہیں، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا پورا فکری نظام ایک مربوط اور ہم آہنگ صورت رکھتا تھا۔ مزید برآں، انہوں نے ادارہ سازی کے ذریعے علمی تحقیق کو اجتماعی اور منظم بنیادیں فراہم کیں، جو ان کی دوراندیشی اور فکری وسعت کا واضح ثبوت ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت ایک ایسے صاحبِ فکر کی نمائندگی کرتی ہے جنہوں نے روایت اور تجدید، عقل و نقل، ادب و کلام اور تاریخ و عقیدہ کے درمیان نہایت خوبصورتی سے توازن قائم کیا۔ ان کی علمی و ادبی خدمات برصغیر کی فکری تاریخ میں ایک نمایاں اور روشن مقام رکھتی ہیں۔ ان کا علمی منہج آج بھی اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ اسلامی فکر کی مضبوطی اور تسلسل تحقیق، مضبوط استدلال اور اخلاقی پختگی میں پنہاں ہے۔

تجاویز و سفارشات:

i. علامہ شبلی نعمانی کے کلامی افکار کا تقابلی مطالعہ دیگر جدید مسلم مفکرین، خصوصاً سر سید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ محمد اقبال کے افکار کے ساتھ کیا جائے تاکہ ان کے فکری امتیازات مزید واضح ہو سکیں۔

ii. شبلی نعمانی کی کلامی خدمات کو معاصر فکری چیلنجز، جیسے الحاد، سیکولرزم اور مغربی فکری یلغار کے تناظر میں از سرِ نو مرتب اور پیش کیا جائے۔[27]

iii. ان کی تصانیف میں موجود کلامی مباحث کی تدوین اور درجہ بندی کر کے ایک جامع "شبلیاتی علم الکلام" مرتب کیا جائے۔

iv. جامعات اور تحقیقی اداروں میں شبلی نعمانی کے کلامی افکار کو بطور مستقل تحقیقی موضوع شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل ان کے فکری سرمایہ سے استفادہ کر سکے۔

v. شبلی نعمانی کے علمی منہج، خصوصاً عقل و نقل کے متوازن استعمال، پر مزید تحقیقی کام کیا جائے تاکہ جدید دینی مباحث میں اس سے رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

vi. ان کی عربی، فارسی اور اردو تحریروں میں منتشر کلامی نکات کو جمع کر کے ایک مستند مجموعہ شائع کیا جائے۔

vii. شبلی نعمانی کے مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات کا تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تاکہ ان کی استدلالی قوت اور تحقیقی منہج مزید نمایاں ہو۔

viii. جدید ذرائع ابلاغ اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے ذریعے شبلی نعمانی کے فکری اور کلامی افکار کو عام کیا جائے تاکہ نوجوان نسل ان کے علمی ورثے سے واقف ہو سکے۔

ix. شبلی نعمانی کے ادارہ سازی کے تصور اور علمی تحریک کے اثرات کا مطالعہ کیا جائے تاکہ عصر حاضر میں دینی و علمی اداروں کی ترقی کے لیے عملی رہنمائی حاصل ہو سکے۔

x. مستقبل میں شبلی نعمانی کے کلامی افکار اور ان کے اثرات پر بین الاقوامی سطح کے تحقیقی منصوبے اور سیمینارز منعقد کیے جائیں تاکہ ان کی فکر کو عالمی علمی حلقوں میں متعارف کرایا جا سکے

27